مولانا محمد بدر عالم*

قومی ہم دردی اور ہم

لکڑی کا بنا ہوا خوبصورت دروازہ گھر سے نکلتے وقت آپ کو الوداع کرتا ہے اور گھر میں داخل ہوتے وقت آپ کا استقبال کر کے آپ کا دل خوش کرتا اور اپنی مضبوطی کا احساس دلاتا ہے۔ایک دن اچانک جیسے ہی آپ دروازے پر ہاتھ رکھتے ہیں کسی ایک پٹ کا کوئی قبضہ اکھڑ جاتا ہے۔ چوکھٹ کے کسی ایک بازو سے لکڑی کا چھلکا ادھڑ کر ہاتھ میں آجاتا ہے۔ یہ کیا؟ آپ ایک لمحے کے لیے سوچتے ہیں اور فوراً ہی آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ دابۃ الارض (دیمک) کی کارستانی ہے۔ ایسی چوکھٹ کا کیا فائدہ اسے تو تبدیل کرنا پڑے گا۔ پکانے کے لیے بڑے شوق سے آپ چنے یا سفید لوبیا لے کر آئے۔ دھونے کے لیے برتن میں ڈالا، مگر یہ کیا؟ اس کے آدھے سے زیادہ دانے تو اندر سے کھوکھلے ہیں۔ یہ پکانے کے قابل نہیں رہے۔ چوکھٹ اور دانے دشمن کا شکار ہو گئے جو اگرچہ باہر سے آیا، مگر اندر ہی اندر کام کرتے ہوئے اس نے انہیں داخلی طور پر کھوکھلا کر دیا۔ امتوں اور قوموں کے عروج و زوال کی داستان بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ میرا محدود مطالعہ اور تجزیہ مجھے یہی بتاتا ہے کہ اقوام کا عروج اور زوال دونوں اندر سے شروع ہوتے ہیں۔ داخلی عوامل ہی ان دونوں کا اصل سبب ہوتے ہیں۔ جن خارجی اثرات کو ان کا سبب سمجھا جاتا ہے، وہ دراصل ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ہمارے یہاں ایک نعرہ لگایا جاتا ہے:

گرتی ہوئی دیواروں کو ایک دھکا اور دو

خارجی اثرات صرف ایک دھکے کا کام کرتے ہیں۔ ہم اپنی تباہی کے اسباب خارج میں ڈھونڈتے ہیں اور انہیں دور کرنے کی اپنی حد تک کوشش کرتے ہیں۔ بنیاد مضبوط کیے بغیر ہی بلند و بالا عمارت کی تعمیر شروع کر دیتے ہیں جو تکمیل سے پہلے ہی گر جاتی ہے۔ جیسے معدے کا مزاج فاسد ہو جائے تو عمدہ سے عمدہ غذا بھی زہر بن جاتی ہے، اسی طرح اندرونی بیماریاں دور کیے بغیر خارجی کمزوری دور کرنے کی ہر کوشش بیماری کو بڑھاتی اور مسائل میں اضافہ ہی کرتی ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارا دشمن ہم پر کسی ایک جہت سے حملہ آور نہیں ہے، بلکہ اس کا حملہ ہمہ جہت ہے۔ فکری حملہ، عسکری حملہ، سیاسی حملہ، معاشی حملہ، معاشرتی حملہ، تعلیمی حملہ۔ پھر ان حملوں کے لیے مختلف ذرائع اختیار کرتا ہے، اس لیے دفاع بھی ہمہ جہتی ہوگا۔ جو لوگ کسی ایک راستے کو اختیار کرتے اور پھر اسی کو حرفِ آخر قرار دے کر تمام لوگوں پر اس کی پابندی

ibntaqi1970@gmail.com *

لازم کردیتے ہیں، وہ غلطی کرتے ہیں۔ صحیح معنوں میں یوں کہا جائے کہ وہ لوگوں کی نفسیات اور اختلاف طبائع کے برخلاف معاملہ کرتے ہیں جن پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ وہ چند معاملات مستثنیٰ ہیں جن میں رعایتیں موجود ہیں، مگر اختلاف طبائع کو اہمیت نہیں دی گئی۔ ہاں اتنا لازم ہے کہ دفاع اور اقدام سے پہلے ایک عمومی مضبوط بنیاد بنالی جائے جو ہر شعبے میں کام دے سکے۔

معاشرہ افراد سے بنتا ہے اور قوم معاشرے سے ہی تشکیل پاتی ہے۔ فرد کی تعمیر وتخریب ہی معاشرے کی تعمیر وتخریب کی بنیاد ہوتی ہے۔ فرد کی تعمیر اخلاق وکردار سے ہوتی ہے۔ علم الاخلاق ایک باقاعدہ موضوع ہے جس کے اندر بہت سے اخلاق پر بحث کی جاتی ہے، مگر یہاں میرا مقصود وہ تمام اخلاق اور ان کا فلسفہ بیان کرنا نہیں اگر چہ ان سے بالکل اجتناب بھی ممکن نہیں۔ میری مراد وہ چند اہم اخلاق ہیں جو معاشرے کو قوم اور بھیڑ کو فوج بناتے ہیں، جو اختلاف طبیعت، اختلاف نسل، اختلاف زبان وغیرہ کے باوجود پورے سماج کو ایک لڑی میں پرو دیتے ہیں، جس کی ہر اینٹ دوسری کو مضبوط کرتی ہے، جس میں فرد حصار ذات سے بلند ہو کر کام کرتا ہے۔ جب اخلاق کو گھن لگ جاتا ہے تو قوموں کی سطوت وشوکت کے بلند وبالا محل بھی پیوند خاک ہو جاتے ہیں اور ان کی رفعت وعروج کے مضبوط دروازے بھی دیمک کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مضبوط اخلاقی کردار ہی میرے نزدیک وہ عمومی بنیاد ہے جو تمام شعبوں میں کام کرنے کے لیے از حد ضروری ہے۔ حضرت تھانوی کا ایک مقولہ کہیں پڑھا تھا کہ مجھے اگر امیر المومنین بنا دیا جائے تو دس سال تک کے لیے جہاد کا اعلان نہ کروں، بلکہ اس عرصے میں قوم کی اخلاقی تربیت کا کام کیا جائے۔ الفاظ آگے پیچھے ہو گئے، مفہوم ایسا ہی تھا۔

جب معاشرے کے عام افراد میں اخلاقی گراوٹ کے آثار رونما ہوں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ قوم کے اندر بیماری پیدا ہو چکی ہے جو علاج کا تقاضا تو کرتی ہے مگر ایسی بیماری ہے جو اطراف میں ہے، اور جب قوم کا مقتدر طبقہ اس علت کا شکار ہو جائے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے اعضائے رئیسہ دل، دماغ، جگر پر بیماری کا حملہ ہو جائے۔ جو افراد قوم کا مکھن اور بالائی سمجھے جاتے ہوں، جب وہ خراب ہوں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لسی اور دودھ میں اس پہلے شدید خرابی پیدا ہو چکی ہے۔ مسلم قوم بھی اخلاقی گراوٹ کے انہی داخلی عوامل کی وجہ سے روبہ زوال ہوئی۔ دیکھیے احادیث میں بھی اخلاقی بیماریوں ہی کو مسلم امہ کی مغلوبیت کا سبب بتایا۔ ایک معروف طویل حدیث میں ہے کہ ''وہن'' کی وجہ سے کافر اقوام مسلمانوں پر حملے کے لیے باہم اس طرح دعوت دیں گی جس طرح لوگوں کو دسترخوان کی طرف بلایا جاتا ہے، حالاں کہ اس وقت مسلمان سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں گے۔ صحابہ نے ''وہن'' کی بابت دریافت کیا تو فرمایا: حب الدنیا وکراھیة الموت، دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا: حب الدنیا راس کل خطیئة، دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔ حب دنیا کو موت سے کراہت لازم ہے اور حب دنیا سے جو بنیادی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، وہ اخلاقی بیماریاں ہی ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ قوم کی ترقی کے لیے چند مخصوص اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے اس درجے کی محنت کی ضرورت نہیں جو تصفیہ قلوب کے نام سے خانقاہوں میں ہوتی ہے، اگر

چہ فی نفسہ اس محنت کی ضرورت واہمیت سے انکار نہیں بلکہ دیگر ذرائع کے ساتھ خانقاہی نظام کو ان اہم اخلاقی صفات کے پیدا کرنے اور ان کے مطابق فرد کی تربیت کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

جن اخلاق کی ہم بات کر رہے ہیں، ان میں سے ایک بہت اہم خلق عصبیت ہے۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کے مختلف مظاہر دکھائے ہیں اور اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں عصبیت کی کارفرمائی کا جائزہ لیا ہے۔ عصبیت اگر حد کے اندر رہے اور حق سے ناحق کی طرف جانے نہ پائے تو یہ ایک ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے کوئی فرد اپنی قوم کی آن، عزت، آبرو اور بقا کے لیے آخری حد تک جانے کو تیار ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی قوم کی خاطر ہر طرح کے ایثار اور قربانی سے کام لیتا ہے۔ عصبیت کے اندر ہی وہ صفت چھپی ہوتی ہے جو میرے اس مضمون کا موضوع ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ دیگر بہت سی قیمتی صفات کے ساتھ ساتھ اس صفت سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ قومی زندگی کو برتر بنانے والی صفات کے ساتھ اس پر بھی غیر مسلموں نے قبضہ کر لیا، حالاں کہ اس کے مختلف مظاہر کو اللہ، رسول نے دین کا درجہ دیا ہے اور ان کے ترک پر سخت وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم ان پر عمل پیرا ہوں تو صرف ہمارا، ہماری قوم کا اور ہماری دنیا ہی کا فائدہ نہیں بلکہ ہماری آخرت کا فائدہ بھی ہے۔ یہودیوں کی زندگی، مشن اور کاز کے متعلق اردو میں بھی کئی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں جن کے مطالعے سے ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہودی جیسا بھی ہو، جہاں بھی ہو، ہر جگہ اپنی قوم کے ساتھ مخلص ہے۔ قوم کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے ہی ان کی عورتیں برضا ورغبت دشمنوں کے بستروں کی زینت بننا گوارا کر لیتی ہیں۔ ہم اپنے ملک کی بیٹی کو مچھلی کی طرح خود پکڑ کر عیسائیوں کے حوالے کرتے ہیں اور وہ دوسرے ملک کا ہونے کے باوجود صرف عیسائی ہونے کی وجہ اپنے لوگوں کا ہر طرح سے تحفظ کرتے ہیں اور اپنے ملک کے دروازے ان کے لیے کھول دیتے ہیں۔ اپنے ملک کے اندر شیعہ، اسماعیلی اور قادیانیوں کو دیکھ لیجیے، کیسے ان کے افراد ہر جگہ، غلط ہو یا درست، اپنی کمیونٹی کو سپورٹ کرتے ہیں، اور میں تو مبنی برحق عصبیت کی بات کر رہا ہوں

قومی ہم دردی نہ ہونے کی وجہ سے ہی تمام اسلامی ممالک کے حکمران یا مقتدر طبقہ امیر ترین ہے اور ان کے عوام غریب ترین۔ اسی وجہ سے وہ قومی وملکی مفادات کا سودا کر گذرنے سے دریغ نہیں کرتے کہ انہیں اپنی قوم سے ہم دردی ہونے کی بجائے اپنے مفادات سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ قومی ہم دردی نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا معاشرہ دینے کے بجائے لینے کا معاشرہ بن گیا۔ یہاں ہر شخص لٹیرا ہے، فرق صرف رسائی کا ہے۔ جس کی پہنچ جہاں تک ہے، وہ وہاں تک لوٹنے سے دریغ نہیں کرتا۔ ایک ٹریفک کانسٹیبل سو پچاس روپے رشوت لیتا ہے اور ایک کسٹم آفیسر لاکھوں روپے۔ دونوں کا عمل ایک جیسا ہے، صرف اختیار کا فرق ہے۔ ہمارے حکمران بیرونی دوروں پر عوامی خزانے کے کروڑوں لٹا دیتے ہیں اور ایک عام آدمی ریل گاڑی پر بلا ٹکٹ سفر کر کے انہی کی طرح قومی خزانے کو نقصان پہنچاتا ہے تو منشا کے اعتبار سے دونوں ہی ایک جیسے ہوئے۔ فرق یہی ہے کہ ایک کی رسائی وہاں تک ہے اور دوسرے کی یہاں تک۔ آپ کیا سمجھتے ہیں، ایسے شخص کو اگر اقتدار مل جائے تو وہ کیا قیامت ڈھائے گا؟ ہم سب، کیا عوام کیا حکمران، ذاتی مفاد کے محافظ اور قومی مفادات کے سوداگر ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ مختلف ملتوں کے مذہبی تہوار اور ایام آتے ہیں تو وہ اشیا

کے نرخ کم کر دیتے ہیں، حکومتیں لوگوں کو ہرممکن سہولت فراہم کرتی ہیں۔ گذشتہ دنوں مجھے ایک ایڈووکیٹ صاحب بتارہے تھے کہ میرے نواسے وغیرہ امریکہ میں ہوتے ہیں اور کئی چیزیں جو عام دنوں میں وہ نہیں خرید سکتے، ان کے لیے وہ کرسمس کا انتظار کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں رمضان آتا ہے تو اشیا کے نرخ دوگنے سے زیادہ ہوجاتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی رمضان میں قیمتیں کم کر کے مسلمانوں کو سہولت دی جاتی ہے اور ہم؟ کیا یہ قومی ہمدردی ہے یا قوم دشمنی؟ حج کے معاملے میں دیکھیں، ہندوستان میں بہت سی سہولتوں کے ساتھ کرایے پاکستان سے کم ہیں اور پاکستان میں جو کچھ ہوتا ہے اور جو کچھ ہوا، وہ محتاج بیان نہیں۔

قومی ہمدردی اور قوم دشمنی کے مختلف مظاہر دیکھیں تو ان میں اصل الاصول ایک ہی بات نظر آئے گی: ذاتی مفاد کو ترجیح دینا اور قوم یا فرد کے مفاد کو قربان کرنا۔ جو شخص قومی کا ہم درد ہوگا، وہ کسی موقعے پر بھی ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح نہیں دے گا۔ وہ قربانی سے کام لے گا، ایثار کو اپنائے گا اور ذاتی مفادات کو قربان کرنا پڑا تو اس سے دریغ نہیں کرے گا۔ آپ خود سے سوال کیجیے، ذاتی فائدے پر قومی مفادات کو قربان کرنے والا قوم کا ہم درد ہے یا قوم کا دشمن؟ دونوں مفادات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے متعلق ہماری تاریخ میں بہت سی ''روشن'' مثالیں بکھری ہوئی ہیں۔ دور صحابہ میں اور دور تابعین میں ایسے کئی واقعات ریکارڈ ہوئے ہیں۔ جیسے جیسے زمانہ پیچھے کی طرف لوٹتا رہا، توں توں یہ تناسب کم ہوتا گیا۔ شریف مکہ حسین بن علی نے قوم دشمنی میں اپنا آپ انگریزوں کے حوالے کر دیا اور سلطان عبدالحمید نے قومی ہمدردی میں فلسطین یہودیوں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ میر جعفر اور میر صادق جیسے کردار قوم دشمنوں کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی حال ہمارا ہے، ہم سراج الدولہ اور ٹیپو کے راستے پر چلنے کے بجائے ''میران'' کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔

ایک صحابی نے اپنے اہل خانہ سمیت خود بھوکا رہ کر مہمان کا اکرام کیا تو اللہ نے فرمایا: **ویوثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة ومن یوق شح نفسه فاولئک هم المفلحون**. یہ ہے مسلمان کی شان کہ وہ خود پر دسروں کو ترجیح دیتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے، کامیابی اس کو ملے گی جو شح نفس سے بری ہوگا۔ آہ، افسوس کہ ہم اسی مرض میں گرفتار ہیں۔ قومی ہم دردی کا سبق دیتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **الدین النصیحة**، دین دوسروں کی بھلائی چاہنے کا نام ہے۔ اس کا معیار کیا ہے؟ اس کو دوسری جگہ حضور ہی نے بیان فرمایا کہ تم میں کوئی شخص اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اس پر مجھے ایک صحابی کا اور دوسرا امام ابوحنیفہ کا ایک ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ بائع نے انہیں قیمت کم بتائی اور انہوں نے اس کی قیمت میں خود گراں قدر اضافہ کر کے مہنگے داموں اس کا سامان خریدا، کیوں کہ ان کے نزدیک مال کی صحیح قیمت یہی تھی اور خیر خواہی کا تقاضا تھا کہ درست قیمت پر مال خرید کر بائع کو فائدہ پہنچایا جائے۔ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ درزی کا کام کرتے تھے اور کھوٹے سکے جانتے بوجھتے اس نیت سے لے لیا کرتے تھے کہ دینے والا یہ کھوٹے سکے کہیں دوسرے مسلمانوں کو نہ دے دے۔ میاں سید اصغر حسین دیوبندی کا واقعہ لکھا ہے کہ ہمیشہ برسات میں اپنے مکان کی لپائی کراتے، مگر وسعت رکھنے کے باوجود اسے پختہ نہ کروایا۔ دریافت کرنے پر جواب دیا کہ اردگرد تمام

اہل محلّہ کے مکان کچے ہیں، میں اگر اپنا مکان پختہ کرالوں گا تو یہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

کون سی چیز ہے جس میں ہم ملاوٹ نہیں کرتے؟ کیا اشیاے صرف، کیا ادویات، کیا دوسری چیزیں۔ ملاوٹ کرنے والے قوم کے دشمن ہیں یا ہم درد؟ اور جانتے بوجھتے انہیں بیچنے والوں کے متعلق کیا خیال ہے؟ پھر جن کی ناک کے نیچے یہ کام ہو رہے ہیں اور وہ رشوت لے کر ایسے لوگوں کو عوام کی زندگی، صحت اور پیسے سے کھیلنے کی اجازت دے دیتے ہیں، وہ کس ذیل میں داخل ہوں گے؟ ابھی ذکر کی گئی حدیث کو سامنے رکھ کر سوچیں کہ کیا وہ یہ ملاوٹ شدہ اشیا اپنی ذات کے لیے پسند کریں گے؟ ایسے لوگوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے لفظوں میں فرمایا: **من غش فلیس منا**، جو ملاوٹ کرے اس کا ہم مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔

اللہ فرماتا ہے: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا (النساء:۵۸) بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ**، جب ذمہ داریاں نا اہلوں کے حوالے کر دی جائیں تو بس قیامت کا انتظار کرو۔ ہم کون سا کام میرٹ پر کرتے ہیں؟ کیا رشوت لے کر اور سفارش کی وجہ سے ذمہ داریوں پر ان لوگوں کا تقرر نہیں کرتے جو ان مناصب کے اہل نہیں ہوتے؟ کیا یہ قوم دشمنی ہے یا ہم دردی؟ اس قوم دشمنی میں تین لوگ شامل ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو جانتے ہیں کہ ہم اس کے اہل نہیں، پھر بھی لوگوں کا حق مار کر اوپر چڑھ آتے ہیں۔ دوسرے وہ جو ان کی نا اہلیت جانتے ہیں، پھر بھی ان کی سفارش کرتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ سب سے زیادہ مجرم ہیں جو اپنے فرض میں کوتاہی کر کے رشوت سفارش کی وجہ سے نا اہل لوگوں کو عہدوں پر بٹھا دیتے ہیں۔ مومن کی شان اللہ یہ بیان کرتا ہے: وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ (الفرقان:۷۲) جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ کیا جو لوگ جعلی ڈگریوں کا کاروبار کرتے ہیں، وہ یہ جھوٹی گواہی نہیں دے رہے؟ کیا وہ امانت نا اہل لوگوں کے سپرد کر کے قوم سے دشمنی نہیں کر رہے؟ پھر یہی جعلی ڈگری ہولڈر ان عہدوں تک پہنچ جاتا ہے جن کا وہ اہل نہیں ہوتا ہے۔ مختلف اداروں کی جو درگت بن رہی ہے، اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ نا اہل لوگ یہاں بیٹھ گئے ہیں۔ ایسی ڈگریاں دینے والے، لینے والے اور ایسے قوم دشمن جب کسی پوسٹ پر پہنچ جائیں تو ان کی مدح سرائی کرنے والے یہ سب قوم کے دشمن ہیں نہ کہ ہم درد۔ اسی طرح وہ لوگ جو کسی فن اور فیلڈ کے نہیں، اس کو جانتے نہیں، مگر خود کو اس کا ماہر ظاہر کرتے ہیں جیسے جعلی ڈاکٹر، عطائی حکیم، نیم ملا اور بناوٹی پیر، یہ سب دھوکہ باز کرپٹ اور دشمن قوم ہیں۔ مومن کا خلق تو یہ بیان ہوا کہ وہ سیدھا سادھا بھولا بھالا ہوتا ہے: **لا یخدع و لا یخدع**، نہ دھوکا دیتا ہے نہ دھوکا کھاتا ہے۔ ذاتی فائدے کے لیے قوم کو دھوکا دینے والا کیا قوم کا ہم درد ہوگا؟

جس معاشرے میں قومی ہم دردی کی صفت موجود ہو، وہاں دوسروں کے کام آنے کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ ایسا معاشرہ ضرورت مندوں کی امداد کرتا ہے، محتاجوں کو سہارا دیتا ہے، یتیموں اور مسکینوں کی اعانت کرتا ہے، مصیبت زدہ افراد کا ساتھ دیتا ہے، مزدور کو پوری اور بروقت اجرت دیتا ہے۔ وہ دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتا۔ حق ادا کرتا ہے، غصب نہیں کرتا۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے، ان کے منہ سے نوالے نہیں چھینتا۔ ننگوں کو کپڑے پہناتا ہے، ان کے تن بدن سے کپڑے نہیں اتارتا۔ کیا یہ سارے کام وہ نہیں جن کا حکم ہمیں اللہ اور رسول نے

دیا؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کی ضرورت پورا کرنے میں لگ جاتا ہے، اللہ اس کی ضرورت پورا کرنے میں لگ جاتا ہے۔ٹوکیو میں ابھی جو زلزلہ آیا، اس میں وہاں کے لوگوں کے رویے کے متعلق ایک کالم نگار نے کسی جاپانی عورت کا واقعہ لکھا کہ ٹوکیو سٹیشن کے باہر جس کی چھوٹی سی ایک دکان تھی۔اس نے اپنے لوگوں کی امداد کے لیے دکان کا سامان اس اعلان کے ساتھ باہر سجا دیا کہ جس کے پاس پیسے ہیں، وہ دے کر لے جائے اور جس کے پاس نہیں، وہ اپنی ضرورت کی چیز ویسے ہی اٹھا لے جائے۔ان غیر مسلموں کی قوم دوستی کے کئی واقعات رپورٹ ہوتے رہتے ہیں۔افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کے تہذیبی فضلے کو تو ہم نے اپنا لیا ہے، مگر ان کی جو چند اعلیٰ اخلاقی صفات ہیں، ان سے منہ پھیر لیا ہے۔ یہ صفات بھی وہ ہیں ان سے پہلے جن کا حکم ہمارے لیے خود ہمارے دین میں موجود ہے۔ ہماری قوم دوستی کا حال تو یہ ہے کہ جہاں کہیں کوئی حادثہ ہو، اسے غنیمت سمجھتے ہوئے پہلے ان متاثرہ افراد کی جیبیں خالی کرتے ہیں، پھر انہیں طبی امداد دینے کا سوچتے ہیں۔ادھر ہسپتالوں میں مسیحا جلادوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔زخمی تڑپیں، بچے بلکیں، مائیں سسکیں، بیمار چلائیں، لوگ ان مسیحاؤں کی غفلت پر روئیں، ان کی منت ترلے کریں، ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ہسپتالوں میں جن مریضوں کو ٹھڈے مارتے ہیں، وہی جب ان کے ذاتی کلینک پہ چلے جاتے ہیں تو جی آیاں نوں کہہ کر انہیں سر آنکھوں پہ بٹھاتے ہیں۔۲۰۰۵ کے زلزلے کے بعد ان علاقوں میں ایسے کئی واقعات سامنے آئے جن میں لوگوں نے اپنے بھائیوں کی امداد کرنے کے بجائے انہیں لوٹنے میں دلچسپی لی، یہاں تک کہ عورتوں کی چوڑیاں بندے حاصل کرنے کے لیے جسم کے اعضا تک کاٹ لیے۔ ہمارا معاشرہ ایک خود غرض معاشرہ ہے اور خود غرض معاشرہ کبھی قوم کا ہمدرد نہیں ہو سکتا۔

مولانا اشرف علی تھانوی ایک دفعہ ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ایک جنٹل مین بھی ساتھ ہی بیٹھے تھے۔انہوں نے قصہ چھیڑ دیا کہ اسلام میں کتوں کو کیوں برا سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ اس میں یہ اور یہ خوبیاں ہیں۔حضرت تھانوی نے شاید احادیث وغیرہ کے ذریعے سمجھایا، مگر وہ نہ سمجھا۔آخر آپ نے فرمایا، بھئی بات یہ ہے کہ اس میں ایک خامی ایسی ہے جو تمام خوبیوں پر بھاری ہے۔اس نے پوچھا کون سی؟ آپ نے جواب دیا، اس کے اندر قومی ہمدردی نہیں ہوتی۔ دیکھو جہاں کہیں کسی کتے کو ایک ہڈی ملتی ہے، دوسرے کتے آ موجود ہوتے ہیں اور اس سے چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔ جہاں ایک کتا دوسرے کو دیکھتا ہے، اس پر بھونکنا شروع کر دیتا ہے۔اس نے کہا، ہاں یہ بات تو ہے۔غور کیجیے، اپنے اخلاق کی وجہ سے کہیں ہم بھی انہی سگان آوارہ کی صف میں شامل تو نہیں ہو گئے؟

الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کے زیر اہتمام

”ائمہ وخطبا کی ذمہ داریاں اور درپیش مسائل ومشکلات“

کے عنوان پر ایک روزہ سیمینار ۱۸ ستمبر ۲۰۱۱ء بروز اتوار صبح ۹ تا شام ۵ بجے منعقد ہوگا

شرکت کے خواہش مند حضرات مولانا وقار احمد (0346-6203052) سے رابطہ فرمائیں۔(ادارہ)